Al-Asr International Research
Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
February 12, 2026

Shaykh Mustafa al-Zarqa's Approach to Deriving Legal Issues through Istihsan

استحسان سے استنباطِ مسائل میں شیخ مصطفٰی الزرقاء کا اسلوب

Hafiz Muhammad Khizar Hayat
Visiting Lecturer, Intermediate Studies, Government College University, Lahore
Email: khizarhayat789@gmail.com

Dr. Muhammad Qasim Butt (Corresponding Author)
Assistant Professor, Department of Arabic and Islamic Studies, Government College University, Lahore
Email: dr.qasimbutt@gcu.edu.pk

Masood ul Hasan
PhD Scholar, University of Education, Lahore
Email: masooduh36@gmail.com

Abstract
In the context of modern emerging legal issues, Islamic law demonstrates its dynamism by providing comprehensive principles capable of addressing new challenges. Among the secondary sources of Islamic law, istiḥsān occupies a significant position, particularly in situations where strict analogical reasoning (qiyās) may lead to hardship or fail to realize public welfare. This article analyzes Shaykh Mustafa al-Zarqa's method of deriving legal rulings through the principle of istiḥsān in Islamic jurisprudence. It explains how he used istiḥsān as a flexible juristic tool to address contemporary issues by prioritizing public interest, necessity, ease, and removal of hardship while remaining within the objectives of Sharīʿah. Through selected examples, the study highlights the relevance of his approach in making Islamic law responsive to modern social and legal challenges.
Keywords: Shaykh Mustafa al-Zarqa's Approach to Deriving Legal Issues through Istihsan

گزشتہ صدی سے جاری انسانی ترقی نے زندگی کے مختلف پہلوؤں پر اپنے اثرات مرتب کیے ہیں۔ سائنسی ترقی کی اس لہر سے ہمارے سماجی تعلقات کی نوعیت بدلی، روزگار کے متنوع طریقے سامنے آئے، ریاستی ڈھانچہ میں جدت آئی، اور انسان کی شناخت اور اس کے حقوق کی بحث چھڑ گئی۔ آج مسلمانوں کو جن مسائل کا سامنا کرنا پڑ رہا ہے ان مسائل کا تعلق کسی نہ کسی پیرائے میں فقہ سے ہے۔ فقہ اسلامی کی یہ خصوصیت ہے کہ یہ ایسے جامع اصول و قواعد مہیا کرتی ہے جن کی مدد سے آنے والے ادوار کے حوادث ونوازل کا حل تلاش کیا جاسکے۔ اس سلسلے میں فقہاء کرام نے خوب عرق ریزی کی، مصادرِ شریعہ کی چھان پھٹک کی، اور اصول و قواعد متعین

OPEN ACCESS

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

کیے۔ان کی کاوشوں سے فقہ اسلامی کی تعبیرات میں وسعت اور مفاہیم میں تنوع آیا۔اسلامی فقہ کا وسیع علمی ذخیرہ اس کی واضح دلیل ہے کہ یہ وہ علم ہے جو مسلمانوں کو اپنے موجودہ چیلنجز کا جواب دینے کی طاقت دیتا ہے۔

فقہاء کے نزدیک شریعت کے مصادر کی دو اقسام ہیں: مصادرِ اصلیہ اور مصادر ثانویہ۔ مصادرِ اصلیہ سے مراد کتاب اللہ، سنتِ رسول، اجماع اور قیاس ہے۔ مصادرِ ثانویہ میں استحسان، مصالح مرسلہ، عرف وعادت، سد ذرائع، وغیرہ کا شمار ہوتا ہے۔ مصادرِ اصلیہ ائمہ اربعہ کے ہاں متفق علیہ ہیں جبکہ مصادر ثانویہ مختلف فیہ ہیں۔اس زمانے میں ایسے مسائل کی کثرت ہو گئی ہے جن کو مصادرِ اصلیہ کے متون میں تلاش کرنا آسان نہیں اور فقہا کرام پیش آمدہ مسائل کا حل ڈھونڈتے ہوئے اکثر جن ضروریات اور مصلحتوں کی رعایت کرتے ہیں وہ مصادرِ ثانویہ کے تحت آتی ہیں۔اس لیے ثانوی مصادر کی افادیت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ گئی ہے۔ عصر حاضر کے نامور فقیہ نابغہ روزگار علامہ مصطفیٰ الزرقاء کا شمار بھی فقہاء کے اس طبقے میں ہوتا ہے جو ثانوی مصادر کی اس اہمیت سے بخوبی آگاہ ہیں۔

شیخ مصطفیٰ بن احمد بن محمد الزرقاء:

شیخ مصطفیٰ الزرقاء 1906ء کو شام کے شہر حلب کے علمی گھرانے میں پیدا ہوئے۔ "شرح القواعد الفقہ" کے مصنف، معروف فقیہ شیخ احمد الزرقاء آپ کے والد ہیں۔[1] شیخ احمد نے اپنے والد شیخ محمد الزرقاء سے تقریباً تیس سال تک تعلیم حاصل کی اور پھر والد کے بعد مدرسہ شعبانیہ، جامع الأمیری اور جامع الکبیر کا منصبِ تدریس سنبھالا۔[2]

شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے شیخ محمد حجاز سے تلاوت، علم قرات اور ریاضی سیکھا۔المدرسۃ الفرنسیہ سے فرانسیسی زبان سیکھی پھر آپ المدرسۃ الخسرویہ میں چھ سال تک پڑھتے رہے۔آپ نے بی اے کے امتحان میں اول پوزیشن حاصل کی۔آپ نے دمشق میں شعبہ فلسفہ میں داخلہ لیا اور وہاں بھی اول پوزیشن حاصل کی۔ پھر آپ نے دمشق یونیورسٹی سے وکالت اور ادب میں تخصص کیا۔[3] آپ نے جید استاذہ اور شیوخ سے کسبِ فیض کیا۔ان کے اساتذہ میں اکثریت ایسی ہے جن کا رشتہ قلم وقرطاس

[1] مجد مکی، مقدمہ فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء (دمشق: دارالقلم، 2010)، ص21

[2] احمد الزرقاء، شرح القواعد الفقہیہ (دمشق: دارالقلم، 1989ء)، ص15

[3] مجد مکی، مقدمہ فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص21

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: February 12, 2026

سے مضبوط تھا۔ان میں الشیخ محمد الحنیفی(1292-1342ھ) ، شیخ محمد راغب الطباخ(1293- 1370ھ)، شیخ احمد المکتبی شافعی(1283- 1342ھ)، شیخ احمد کردی(1299- 1373ھ)، شیخ ابراہیم السلقینی(1270- 1367ھ)،اور شیخ عیسیٰ البیانوني(1290- 1362ھ) شامل ہیں۔[4]

شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے اپنے والد کی جگہ مسندِ تدریس سنبھالا۔انہوں نے وہ اسباق جاری رکھے جو ان کے والد حلب کی اموی مسجد میں پڑھایا کرتے تھے اور ساتھ ہی مسجد الخیر، مدرسہ شعبانیہ، خسرویہ اور نظامیہ میں بھی درس دیتے رہے۔آپ نے ابتدائی دور میں عربی ادب اور فقہ میں الدرر شرح الغرر پڑھائی اور اصول میں علامہ بزدوی کی کشف الاسرار پڑھائی۔آپ چالیس سال سے زائد عرصہ تک مسندِ تدریس پر متمکن رہے۔ طلبا کی کثیر تعداد نے ان سے استفادہ کیا۔ان کے ممتاز شاگردوں میں شیخ عبد الفتاح ابو غدہ، شیخ محمد ملاح، شیخ عبد الرحمن رافت باشا، شیخ محمد فوزی فیض اللہ،ان کے فرزند محمد انس الزرقاء، شیخ نوح علی سلمان،سید محمد رسول کیلانی، شیخ ڈاکٹر ابراہیم زید گیلانی اور دیگر علما شامل ہیں۔[5]

آپ نے حلب میں دس سال وکالت کے بعد جامعہ دمشق میں مدنی قانون اور شریعت کے پروفیسر کے طور پر طویل خدمات انجام دیں۔1954ء میں کالج آف شریعہ میں تدریس کے فرائض انجام دیے اور قاہرہ میں عرب لیگ کے انسٹی ٹیوٹ میں لیکچر دیا۔ بعد ازاں، جامعہ دمشق میں فقہی انسائیکلوپیڈیا کمیٹی کے صدر بنے اور معجم فقہ ابن حزم الظاہری تیار کروایا۔ شام میں ذاتی حیثیت کے قانون کا مسودہ 1952ء میں جس کمیٹی نے بنایا،آپ اس کے رکن تھے۔کویت میں وزارت اوقاف نے 1966ء میں فقہی انسائیکلوپیڈیا مرتب کیا،آپ اس میں بطور ماہر شامل تھے۔1971-1981ء میں آپ نے اردن کی یونیورسٹی میں کالج آف شریعہ میں پڑھایا۔ اس دوران انہوں نے اپنے عظیم کارنامے "الفقہ الاسلامی فی ثوبہ الجدید" کی داغ بیل ڈالی۔انہیں عرب لیگ، مسلم ورلڈ لیگ،اور اردن کی رائل اکیڈمی کی فقہی و تحقیقی کمیٹیوں کا رکن منتخب کیا گیا۔آپ 3 جولائی 1999 کو اس دار فانی سے رخصت ہوئے۔[6]

شیخ مصطفیٰ الزرقاء کو اہل علم و دانش قدر کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔علامہ قرضاوی کے مطابق شام کے چار بڑے علما میں مصطفیٰ السباعی، مصطفیٰ الزرقاء، محمد المبارک، اور معروف الدوالیبی نمایاں ہیں۔وہ لکھتے ہیں کہ اگرچہ بعض بڑے علما کو مصطفیٰ الزرقاء سے اختلاف رہا، لیکن ان کی فقاہت، علمی بصیرت اور گہرے فکری مقام کے

[4] حوالہ کے لیے دیکھیے المرعشلی، یوسف بن عبد الرحمن، نثر الجواہر والدرر فی علماء القرن الرابع عشر، (بیروت: دار المعرفۃ، 2006)، ص943؛ الطباخ، محمد راغب، الانوار الجلیہ مختصر الاثبات الحلبیہ، ص09؛ محمد المجذوب، علماء و مفکرون عرفتهم، (مصر: دار الشواف، 1922)، ج2، ص151؛ مجد مکی، مقدمہ فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص21

[5] مجد مکی، مقدمہ فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص21

[6] ایضا، ص4140

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

سب معترف تھے۔ایک موقع پر جب ڈاکٹر ابوزہرہ اور شیخ مصطفٰی الزرقاء کے درمیان علمی مناقشہ ہوا تو ڈاکٹر السباعی نے کہا کہ ابوزہرہ فقہی مکتب کے عالم ہیں، جبکہ مصطفٰی الزرقاء میں فقہی ملکہ (اجتہادی صلاحیت) پائی جاتی ہے۔مولانا ابوالحسن ندوی کے مطابق، استاذ الزرقاء عصر حاضر کے ایک بڑے مجتہد اور ماہر فقیہ تھے، جن سے علما، نوجوان، اور عوام سب رجوع کرتے تھے۔ وہ ہر سوال پر گہرے غور و فکر کے بعد مدلل اور تفصیلی جواب دیتے تھے، اس طرح وہ ایک علمی مرجع کی حیثیت رکھتے تھے۔جامعہ دمشق کے سابق ڈین ڈاکٹر دارینی نے شیخ الزرقاء کو اسلامی قانون اور وضعی قوانین کا موازناتی فقیہ قرار دیا۔ان کے مطابق، الزرقاء نے اسلامی شریعت کی آفاقیت، اصولوں کی جامعیت، اور مقاصد شریعت پر گراں قدر علمی خدمات انجام دیں۔[7]

شیخ مصطفٰی الزرقاء نے اسلامی فقہ، اصول فقہ، اور جدید مسائل پر کئی اہم کتابیں تصنیف کیں: المدخل الفقهي العام، نظرية الالتزام العامة في الفقه الإسلامي، العقود المسماة في الفقه الإسلامي: عقد البيع، أحكام الأوقاف، نظام التأمين: حقيقته والرأي الشرعي فيه، الفقه الإسلامي ومدارسه، في الحديث النبوي، الفعل الضار والضمان فيه، صياغة قانونية لنظرية التعسف باستعمال الحق في القانون الإسلامي، اور دیوان قوس قزح۔اس کے علاوہ آپ نے کئی مقالات اور آرٹیکل بھی لکھے۔

مصادرِ تبعیہ کا تعارف:

المدخل الفقهي العام دراصل شیخ مصطفٰی الزرقاء کے فقہی سلسلے الفقہ الاسلامی في ثوبه الجديد کی ایک کڑی ہے۔ یہ سلسلہ تین حصوں پر مشتمل ہے۔ ہر حصے کو الگ نام دیا گیا ہے، اور تینوں حصے کتابی شکل میں موجود ہیں جن کے نام درج ذیل ہیں: (۱) المدخل الفقهي العام (۲) المدخل الی نظرية الالتزام العامة في الفقه الاسلامی (۳) عقد البيع۔ آپ نے المدخل الفقہی العام کے مقدمہ میں مصادر اصلیہ اور مصادر تبعیہ کو تفصیل سے بیان کیا ہے۔

آپ کے نزدیک شرعی احکام کے اصل ماخذ چار ہیں-- قرآن سنت اجماع اور قیاس۔ان کو **مصادرِ اساسیہ** کہا جاتا ہے۔ان کے علاوہ دیگر اہم مصادر بھی ہیں جن کے ذریعے مسائل کو حل کیا جاتا ہے۔ان کو **مصادرِ تبعیہ** کہا جاتا ہے۔ شیخ مصطفٰی الزرقاء کہتے ہیں کہ اثباتِ حکم میں ان کے معتبر ہونے پر کتاب و سنت کے نصوص دلالت کرتے ہیں۔ یہ مصادر در حقیقت مصادرِ اربعہ اساسیہ کے ہی تابع ہوتے ہیں اور ان کی طرف راجع ہوتے ہیں۔ان میں تین مصادر بہت اہم ہیں--استحسان، مصالح مرسلہ اور عرف۔ عصر حاضر کے فقہی مسائل کے حل کے لیے ان مآخذ سے کثرت سے استفادہ کیا جاتا ہے۔[8]

[7] ابوالبصل، عبدالناصر، مصطفی الزرقاء (دمشق: دارالقلم، 1999)، ص 35

[8] الزرقاء، مصطفٰی احمد، المدخل الفقہی العام (دمشق: دارالقلم، 2004)، ص 87

OPEN ACCESS
CC BY

استحسان:

فقہ اسلامی جامد اصول و قوانین کا مجموعہ نہیں ہے کہ وہ بدلتے ہوئے حالات میں نئے مسائل کا حل پیش نہ کر سکے۔اس فقہ کے مصادر میں یہ خوبی پائی جاتی ہے کہ وہ زمان و مکان کے تغیر کے نتیجے میں پیدا ہونے والے متنوع انسانی مسائل کا حل پیش کریں اور لوگوں کی دینی اور عمرانی ضرورتوں اور مصلحتوں کی حفاظت کریں انہی مصادر میں سے ایک مصدر استحسان ہے۔

استحسان باب استفعال سے ہے جس کا مادہ اشتقاق "حسن" ہے۔اس کا معنی ہے کسی شیئ کو اچھا شمار کرنا اور اس کے اچھا ہونے کا اعتقاد رکھنا۔[9] قرآن میں آیا ہے: ٱلَّذِينَ يَسۡتَمِعُونَ ٱلۡقَوۡلَ فَيَتَّبِعُونَ أَحۡسَنَهُۥٓ (وہ جو بات سنتے ہیں اور اس کے بہترین پر چلتے ہیں)۔[10] عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوفا روایت ہے: فَمَا رَأَى الْمُسْلِمُونَ حَسَنًا، فَهُوَ عِنْدَ اللهِ حَسَنٌ (جسے مسلمان اچھا سمجھیں وہ اللہ کے نزدیک بھی اچھا ہے)۔

[11] استحسان سے متعلق فقہاء کی مختلف تعریفات موجود ہیں جن میں سے ہر ایک استحسان کے کسی گوشہ کی طرف رہنمائی کرتی ہے۔ کہیں اجمال ہے تو کہیں قدرے تفصیل۔البتہ ان سب کا مدعیٰ ایک ہی ہے۔ فخر الاسلام البزدوی رحمہ اللہ نے اسے آسان لفظوں کا جامہ دیا: الِاسْتِحْسَانُ هوَ الْعُدُولُ عَنْ موجِبِ قِيَاسٍ إِلَى قِيَاسٍ أَقْوَى مِنْهُ (استحسان سے مراد موجبِ قیاس سے عدول کرنا ایسے قیاس کی طرف جو اس سے قوی ہے)۔[12] البتہ شیخ مصطفیٰ الزرقاء رحمہ اللہ استحسان کے باب میں ائمہ احناف میں سے امام ابوالحسن الکرخی رحمہ اللہ کی تعریف کو ترجیح دیتے ہیں: الِاسْتِحْسَانُ هوَ الْعُدُولُ بِالْمَسْأَلَةِ عَنْ حُكْمِ نَظَائِرِهَا إِلَى حُكْمٍ آخَرَ لِوَجْهٍ أَقْوَى يَقْتَضِي هَذَا الْعُدُولَ (استحسان سے مراد ہے کسی مسئلہ کو اس کے نظائر کے حکم سے عدول کر کے کسی دوسرے حکم کی طرف لے جانا، کسی ایسی قوی وجہ کی بنا پر جو اس عدول کا تقاضا کرتی ہو)۔[13]

[9] الجرجانی، علی بن محمد بن علی الشریف، التعریفات، (البیروت: دار الکتب العلمیہ، 2007)، ص 18

[10] الزمر 39:18

[11] احمد بن محمد، امام، المسند (مؤسسۃ الرسالۃ، 2001)، 6:84، رقم الحدیث: 3600

[12] البزدوی، علی بن محمد، فخر الاسلام، اصول البزدوی (کراچی، جاوید پریس، س۔ن)، ص 212

[13] الزرقاء، المدخل الفقہی العام، ص 87

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: February 12, 2026

شیخ مصطفیٰ الزر قاء رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ استحسان کی یہ تعریف تمام تعریفوں سے افضل ہے اور استحسان کی اقسام کو شامل بھی ہے۔اس کے مطابق استحسان قیاسِ ظاہر کا بر عکس ہے۔ قیاسِ ظاہر میں کسی مسئلہ کو حکم میں اس کے نظائر کے حکم کے ساتھ ملا دیا جاتا ہے۔ جبکہ استحسان میں کسی مسئلہ کو کسی علت کی بناء پر اس کے نظائر کے حکم کے الگ کر دیا جاتا ہے۔اس علت کا اعتبار کرتے ہوئے آپ رحمہ اللہ نے استحسان کو فقط دو قسموں میں منقسم کیا ہے: استحسانِ قیاسی اور استحسانِ ضرورت۔

استحسانِ قیاسی:

استحسانِ قیاسی کے بارے میں آپ فرماتے ہیں: فَهُوَ أَنْ يَعْدِلَ بِالْمَسْأَلَةِ عَنْ حُكْمِ الْقِيَاسِ الظَّاهِرِ الْمُتَبَادِرِ فِيهَا إِلَى حُكْمٍ مُغَايِرٍ بِقِيَاسٍ آخَرَ هُوَ أَدَقُّ وَأَقْوَى مِنَ الأَوَّلِ، لَكِنَّهُ أَقْوَى حُجَّةً، أَسَدُّ نَظَرًا، أَصَحُّ اسْتِنْتَاجًا مِنْهُ (کسی مسئلہ میں قیاسِ ظاہر کے حکم سے عدول کر کے مخالف حکم کو اختیار کرنا جو کسی دوسرے قیاس کی بناء پر ہو۔اور وہ قیاس پہلے قیاس سے دقیق اور مخفی ہو لیکن دلیل کے لحاظ سے زیادہ قوی ہو، نظر و فکر کے لحاظ سے زیادہ درست ہو اور نتیجے کے لحاظ سے زیادہ صحیح ہو)۔استحسان کی یہ قسم فقہاءِ احناف کے ہاں بہت زیادہ پائی جاتی ہے۔ بعض حضرات نے استحسان کو "قیاسِ خفی" تعبیر کیا ہے۔در حقیقت استحسان متعدد قیاسوں میں سے کسی ایک کو ترجیح دینے کا نام ہے۔اور یہ ایک قیاس سے دوسرے قیاس کی طرف رجوع کرنا ہے۔[14]

شیخ مصطفیٰ الزر قاء رحمہ اللہ نے استحسانِ قیاسی کی یہ مثالیں نقل کی ہیں:

(1) اگر دینِ مشترک کی صورت میں دونوں میں سے ایک دائن اپنا قرض واپس لے لے تو وہ مال صرف اسی کا نہیں ہوتا، بلکہ دوسرے دائن کا یہ حق ہوتا ہے کہ وہ اس مال میں سے اپنا حصہ بھی مانگ لے۔اس مسئلہ پر دوسرا مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر اس صورت میں دائن اول کے ہاتھ سے مال ضائع ہو گیا تو کیا دوسرا دائن بھی اس نقصان میں شریک ہو گا یا نہیں؟ قیاسِ ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ جس طرح وصول شدہ مال میں دونوں شریک مانے جاتے ہیں، اسی طرح نقصان میں بھی شریک ہوں۔ لیکن شیخ مصطفیٰ الزر قاء رحمہ اللہ کے نزدیک یہاں استحسان سے کام لیں گے اور جو مال دائنِ اول کے ہاتھ سے ضائع ہوا ہے وہ صرف اس کے حصے سے ضائع سمجھا جائے گا۔اس کی وجہ یہ ہے کہ دراصل شریک دائن اول کے وصول کیے ہوئے مال میں شریک بننے کا پابند نہیں ہوتا۔اس کے پاس اختیار ہوتا ہے کہ وہ اس

[14] ایضاً، ص88

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

وصول شدہ مال میں حصہ لینے کے بجائے براہِ راست مدین سے اپنے حصے کا مطالبہ کرے۔ اسی لیے اگر وصول شدہ مال ضائع ہو جائے تو اس کا نقصان صرف وصول کرنے والے کے حصے میں شمار کیا جاتا ہے، دوسرے شریک پر اس کی ذمہ داری عائد نہیں ہوتی۔[15]

(2) شیخ مصطفیٰ الزرقاء رحمہ اللہ قاعدہ بیان کرتے ہیں کہ بندہ اپنے حق میں کیے اقرار کا ذمہ دار ہوتا ہے، نہ کہ دوسرے کے حق میں کیے اقرار کا۔ مثلاً اگر کوئی شخص اقرار کرے کہ وہ اور اس کا بھائی کسی رقم کے مقروض ہیں، تو اس پر صرف اس کے حصے کے مطابق قرض لازم ہوگا، اس کے بھائی پر لازم نہیں ہوگا اگر وہ انکار کردے۔ اسی بنا پر اگر کوئی شخص دعویٰ کرے کہ وہ کسی دائنِ غائب کی طرف سے اس کے قرض کی وصولی کا وکیل ہے، اور مدین اس کی وکالت کا اقرار کرلے، تو مدین کو حکم دیا جائے گا کہ اپنے اقرار کے مطابق قرض اس کے حوالے کردے۔ اس مسئلہ پر دوسرا مسئلہ متفرع ہوتا ہے کہ اگر ایک شخص کسی کے پاس کوئی چیز امانت رکھے اور پھر غائب ہو جائے (مودِع غائب)، اور کوئی شخص دعویٰ کرے کہ وہ اس غائب کی امانت وصول کرنے میں اس کا وکیل ہے، اور امانت رکھنے والا (ودِیع) اس کی وکالت کا اقرار بھی کرلے، تو دائنِ غائب کے وکیل پر قیاس کرتے ہوئے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ امانت دار پر لازم ہو جائے کہ وہ امانت اس کے حوالے کردے جیسے مقروض پر لازم کیا گیا کہ اپنے اقرار کے مطابق قرض وکیل کے حوالے کردے۔ لیکن شیخ مصطفیٰ الزرقاء رحمہ اللہ نے اس مقام پر واضح کیا کہ استحسان کی رو سے امانت دار کو اس بات کا پابند نہیں کیا جائے گا کہ وہ امانت اس شخص کے حوالے کرے، اگرچہ وہ اس کی وکالت کا اقرار بھی کرتا ہو۔[16]

یہاں امانت کے وکیل کو قرض کے وکیل پر قیاس نہیں کرسکتے کیونکہ امانت اور دَین کا معاملہ الگ ہے۔ دَین کی صورت میں دائن کا حق مدین کے ذمے سے متعلق ہوتا ہے، نہ کہ اس خاص رقم سے جو مدین کسی مدعیِ وکالت کو ادا کرتا ہے۔ لہٰذا اگر دائن آکر وکالت سے انکار کردے تو واضح ہو جاتا ہے کہ دین کی درست ادائیگی نہ تھی، کیونکہ وصول کرنے والے کی وکالت ثابت نہ ہوئی۔ اس صورت میں دائن کا حق بدستور مدین کے ذمے باقی رہتا ہے اور مدین کو دوبارہ دائن کو ادائیگی کا حکم دیا جائے گا۔ البتہ مدین کو یہ حق حاصل ہوگا کہ وہ وکیل سے رجوع کرکے اپنی دی ہوئی رقم واپس لے۔ قرض کی ادائیگی درحقیقت یہ ہے کہ مدین اپنے ہی مال میں سے اتنی رقم ادا کرتا ہے جو قرض کے برابر ہو۔ لہٰذا کسی دائنِ غائب کے وکیل کا اقرار کرنا دراصل اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ اپنے مال کو مدعیِ وکالت کے حوالے کرے تاکہ دائن کا قرض ادا ہو جائے، اور یہ اس کا اپنے ہی خلاف اقرار ہے۔ پس اگر بعد میں وکالت ثابت نہ ہوسکے تو یہ اس کی اپنی مال میں کوتاہی شمار ہوگی، اور اسے حکم دیا جائے گا کہ وہ دوبارہ اس دائن کو ادائیگی کرے جس نے وکالت سے انکار کیا تھا۔ اس کے برعکس مودع کا حق عین مال کے ساتھ متعلق ہوتا ہے، نہ کہ ودیع کے ذمے کے ساتھ۔

[15] الزرقاء، المدخل الفقہی العام، ص 89

[16] ایضاً

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: February 12, 2026

اس لیے ودیع کا دوسرے شخص کی وکالت کا اقرار کرنا در اصل اس بات کا اعتراف ہے کہ وہ کسی دوسرے کے مال کو ایک تیسرے شخص کے حوالے کرے۔ پس یہ اقرار اس کے اپنے خلاف نہیں بلکہ دوسرے کے خلاف ہے۔ لہٰذا اگر ہم اسے نافذ کر دیں تو یہ محض کسی دوسرے کے اقرار کی بنیاد پر مالک کے حق میں کوتاہی اور نقصان کا سبب بنے گا جو کہ درست نہیں۔ ایسا کرنے سے امانت ضائع ہو جائے گی اور اسے واپس لینا ممکن نہیں رہے گا۔ لہذا ودیع کو اس بات کا پابند نہیں کیا کہ وہ امانت اس وکیل کے حوالے کرے، اگرچہ ودیع اس کی وکالت کا اقرار بھی کر لے۔[17]

(3) جمہور فقہاکے نزدیک قرض کے بدلے کوئی چیز مرتہن کے پاس رہن رکھی تو وہ اس چیز کا ضامن ہوگا۔ اگر وہ چیز مرتہن کے قبضہ سے ہلاک ہو جائے اور اس کی قیمت بھی قرض کے برابر ہو تو قرض ساقط ہو جاتا ہے۔ یہاں تک کہ کہ اگر مرتہن نے قرض اس چیز کے ہلاک ہونے سے پہلے وصول کر لیا تھا تو اب اس چیز کے ہلاک ہو جانے کے بعد وہ رقم اسے واپس کرنا پڑے گی۔ اس مسئلہ کو جان لینے کے بعد ایک اور مسئلہ پیدا ہوتا ہے۔ اگر مرتہن قرض وصول کرنے سے پہلے اسے معاف کر دے اور پھر مرہونہ چیز ہلاک ہو جائے تو اس پر قیمت واجب ہو گی یا نہیں؟ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ وہ قرض معاف کر کے گویا قرض پانے والے کی طرح ہو گیا۔ اب اگر اس سے مرہون چیز ہلاک ہو گئی تو اس کی قیمت ادا کرے۔ لیکن استحسان کو سامنے رکھتے ہوئے اس پر قیمت لازم نہیں کی جائے گی۔ کیونکہ قرض کی معافی کا اعلان کر کے گویا وہ رہن کو فسخ کرنے والا ہو گیا۔ اب گروی رکھی ہوئی چیز اس کے پاس بطور امانت ہے۔ اگر اس سے ہلاک ہو جائے تو وہ ضامن نہیں ہو گا جب تک کہ اس کی طرف سے زیادتی یا حفاظت میں کوتاہی ثابت نہ ہو۔[18]

استحسانِ ضرورت:

دورِ حاضر کے بڑھتے ہوئے مسائل میں استحسانِ ضرورت کو خاص اہمیت حاصل ہو گئی ہے۔ اس لیے اس قسم کو سمجھنا بے حد ضروری ہے۔ استحسانِ ضرورت کے بارے میں شیخ مصطفٰی الزرقاء فرماتے ہیں: فَهُوَ مَا خُولِفَ فِيهِ حُكْمُ الْقِيَاسِ نَظَرًا إِلَى ضَرُورَةٍ مُوجِبَةٍ، أَوْ مَصْلَحَةٍ مُقْتَضِيَةٍ، سَدًّا لِلحَاجَةِ، أَوْ دَفْعًا لِلحَرَجِ (استحسانِ ضرورت سے مراد قیاس کے حکم کی مخالفت کرنا، ایسی ضرورت کے پیشِ نظر جو اس مخالفت کو لازم کرتی ہو، یا ایسی مصلحت جو اس کا تقاضا کرتی ہو، یا حاجت کے سدِ باب کے لیے، یا حرج کو دور کرنے کے لیے)۔ اس قسم استحسان کو واضح کرتے ہوئے آپ فرماتے ہیں کہ بسا اوقات

[17] ایضاً، 89-90

[18] الزرقاء، المدخل الفقهی العام، ص 90

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

قیاسی مسائل اپنے نتائج کے لحاظ سے مختلف ہوتے ہیں اگرچہ وہ جنسِ واحد سے ہوں یا ان میں علل مشترک ہوں۔اس لیے کہ بعض احکام پر عوارض (عارضی/خارجی عوامل) اور ملابسات (واقعات کا پس منظر) اثرانداز ہوتے ہیں۔ایسی صورت میں حکمِ قیاسی کو جاری کرنا حرج اور مشکل کا باعث بن جاتا ہے۔اس وقت قیاس سے عدول کر کے دوسرے حکم کے طرف جایا جاتا ہے جس سے حرج زائل اور مشکل دور ہو جائے۔پس استحسان کی یہ قسم فقہاء کے لیے ایک راستہ متعین کرتی ہے جس سے وہ مصلحت پر مبنی احکام پر فقہی منطق اور مقاصدِ شریعہ کو سامنے رکھ کر حکم لگاتے ہیں۔[19]

شیخ مصطفٰی الزرقاء رحمہ اللہ نے استحسانِ ضرورت کی یہ مثالیں نقل کی ہیں:

(1)امین شرعاً ودیع کی طرح ہے۔اگر اس کے پاس امانت ہلاک ہو جائے،اس کی طرف سے تعدی یا کوتاہی کے بغیر،تو وہ نقصان کا ذمہ دار نہیں ہوگا۔یہ قیاس ہر اس امانت پر نافذ ہوتا ہے جو کسی امین کے پاس ہو،جیسے کہ شراکت کا حصہ کسی شریک کے پاس امانت ہے،مزدور کی مزدوری کسی مستاجر کے پاس امانت ہے،اور عاریہ (ادھار لی گئی چیز) کسی مستعیر (ادھار لینے والا) کے پاس امانت ہے۔لیکن فقہاء نے اجیرِ عام کے معاملہ میں استحسان سے کام لیتے ہوئے حکم کیا کہ اگر اس کے ہاتھ سے مالِ ستأجر ہلاک ہو گیا تو وہ ضمان دے گا بشر طیکہ نقصان ایسا ہو جو بچانا ممکن نہ ہو، جیسے کہ عمومی آگ لگ جائے جس میں مال ہلاک ہو جائے،تو اس صورت میں اجیر ضامن نہیں ہوگا۔

(2)اگر کوئی شخص اپنے مال سے کسی دوسرے کا کوئی مالی حق ادا کر دے،اس کے حکم کے بغیر،تو وہ متبرع(خیرات کرنے والا) سمجھا جائے گا،چاہے اس نے واقعی نیت خیرات کی ہو یا نہ کی ہو۔ایسی صورت میں اسے یہ حق نہیں کہ جس کی طرف سے اس نے ادائیگی کی ہے اس سے اپنے مال کے لیے رجوع کرے بشر طیکہ وہ خود مجبور نہ ہو جائے۔

(3) مکیلی اور موزونی اشیاء ان سودی اموال سے شمار کیے جاتے ہیں جن میں ربا الفضل والی علت پائی جاتی ہے۔لہذا ان اشیاء کو قرض دینا یا کسی سے ادھار لینا برابر برابر ہونا چاہیے۔ان میں کمی بیشی نہیں کی جا سکتی۔اور ان اشیاء کی اپنے ہم جنس شے کے ساتھ بیع بھی برابر برابر ہونا چاہیے۔اب سوال یہ ہے کہ اگر ہمسایوں کے درمیان روٹیوں کا تبادلہ بطور قرض ہو تو کیا وہ بھی سود ہوگا کیونکہ ان کا وزن برابر نہیں ہوتا۔قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان کا وزن برابر نہیں لہذا یہ سود ہے لیکن استحسان یہ ہے

[19] ایضاً،ص 91

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)

Published:
February 12, 2026

کہ ان کا تبادلہ عدد کے مطابق ہو، نہ کہ وزن کے مطابق۔اس لیے کہ روٹیوں کا وزن اکثر متفاوت ہوتا ہے۔اگر وزن کو معیار بنایا جائے تو لوگوں کے لیے دشواری لازم آئے گی۔لہذا لوگوں کی ضرورت اور حاجت کو مد نظر رکھتے ہوئے قیاس کے خلاف حکم کیا جائے گا۔[20]

آپ فرماتے ہیں کہ حنفی اصولینِ فقہ استحسان کو چار قسموں میں تقسیم کرتے ہیں۔وہ استحسان بالقیاس اور استحسان بالضرورۃ کے علاوہ استحسان بالسنۃ اور استحسان بالاجماع کو بھی بیان کرتے ہیں۔لیکن ان کی بیان کردہ دونوں اقسام در حقیقت سنت اور اجماع میں ہی داخل ہیں اور ان کو استحسان کا نام دینا درست نہیں۔فقہاءِ احناف کا موقف ملاجیون رحمہ اللہ کی اس عبارت سے واضح ہے: وَالِاسْتِحْسَانُ یَکُونُ بِالْأَثَرِ وَالِاجْمَاعِ وَالضَّرُورَةِ وَالْقِیَاسِ الْخَفِيِّ۔یَعْنِي أَنَّ الْقِیَاسَ الْجَلِيَّ یَقْتَضِي شَیْئًا، وَالْأَثَرُ وَالِاجْمَاعُ وَالضَّرُورَةُ وَالْقِیَاسُ الْخَفِيُّ یَقْتَضِي مَایُضَادُّهُ، فَیُتْرَکُ الْعَمَلُ بِالْقِیَاسِ وَیُصَارُ إِلَی الِاسْتِحْسَانِ (استحسان سنت، اجماع، ضرورت اور قیاسِ خفی کے ذریعہ ہوتا ہے۔یعنی قیاسِ ظاہر کسی چیز کا تقاضا کرتا ہے، لیکن سنت، اجماع، ضرورت اور قیاسِ خفی اس کے برعکس چیز کا تقاضا کرتے ہیں۔پس قیاس پر عمل چھوڑ دیا جاتا ہے اور استحسان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے۔)[21]

شیخ مصطفیٰ الزرقاء کہتے ہیں کہ فقہاء جس حکم کو استحسانِ سنت اور استحسانِ اجماع کہتے ہیں دراصل اس حکم کا ثبوت سنت اور اجماع کی طرف منسوب ہوتا ہے، نہ کہ قیاس اور استحسان کی طرف۔سنت اور اجماع، قیاس پر مقدم ہیں۔قیاس اور استحسان کی جگہ صرف اس وقت بنتی ہے جب نص شرعی یا جو اس کے حکم کے تحت ہے موجود نہ ہو۔اگر قیاس کا مقتضیٰ سنت اور اجماع سے ثابت ہو رہا ہے تو وہ سنت اور اجماع کے حکم میں داخل ہے۔لہذا اس کا نام استحسان رکھ دینا کسی شے کو اس کے غیر کے زمرے میں شامل کرنے کے مترادف ہے۔نیز استحسان کے لفظ میں اتنی وسعت رکھنا حقائق کی تمیز میں شبہات پیدا کرتا ہے۔[22]

شیخ رحمہ اللہ کے نزدیک امام ابو حنیفہ اور آپ کے اصحاب استحسان کے حوالے سے کافی مشہور ہوئے اور انہوں نے استحسان پر احکام کی بنیاد رکھی۔جہاں کہیں بھی قیاس ظاہر پر انحصار کی وجہ سے کسی مصلحت میں مشکل پیش آتی ہیں وہ استحسان سے کام لیتے تھے۔مالکی فقہاء نے بھی اس اصول سے بہت کام لیا، لیکن وہ اس قیاسِ خفی کو استحسان کا نام نہیں دیتے۔امام ابن رشد رحمہ اللہ نے بدایۃ المجتھد میں بیان کیا کہ استحسان سے مراد اکثر احوال میں مصلحت کی طرف التفات کرنا ہے۔ان کے

[20] ایضاً، ص 93

[21] ملاجیون، محمد بن عبدالرحمن، نورالانوار شرح المنار (لاہور: مکتبہ رحمانیہ، س۔ن)، ص 34

[22] الزرقاء، المدخل الفقہی العام، ص 95

OPEN ACCESS

CC BY

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

نزدیک قیاس ظاہر کو تین وجوہات کی بناپر چھوڑا جاسکتا ہے: جب عرفِ غالب قیاس کے مخالف ہو ، یا کوئی مصلحتِ راجحہ اس کی مخالفت کرے، یا قیاسِ ظاہر پر عمل کرنا کسی حرج یا مشقت میں ڈال دے۔اسی کو حنفی فقہاء استحسانِ ضرورت کا نام دیتے ہیں۔[23]

استحسان سے استنباطِ مسائل میں شیخ مصطفیٰ الزرقاء کا اسلوب

1۔مصالح الناس:

شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے اصول استحسان سے مسائل کا استنباط کرتے ہوئے مصالح الناس کو ایک اہم علت قرار دیا ہے۔انہوں نے اس کے تحت ان معاملات میں آسانی پیدا کی جہاں شریعت کے ظاہری احکام کو معاشرتی مفاد کے مطابق ڈھالنا ضروری تھا تاکہ لوگوں کے مصالح کا تحفظ کیا جاسکے۔اس اسلوب کو جاننے کے لیے درج ذیل مثال دی جاسکتی ہے۔

دینِ مؤجل کی زکٰوۃ: ایسا آدمی جس پر قرض ہو اور اس کے پاس قرض کی مقدار مال موجود ہو تو اس مال پر زکٰوۃ واجب ہوتی ہے یا نہیں؟اس بارے میں احناف کا موقف یہ ہے کہ اس پر زکٰوۃ واجب نہیں کیونکہ یہ مال اس نے قرض کی مد میں واپس کرنا ہے۔ گویا کہ اس کا یہ مال معدوم سمجھا جائے گا البتہ اس قرض کے لئے احناف کے ہاں شرط یہ ہے کہ یہ قرض دینِ حال ہو یعنی اس نے فوراادا کرنا ہو دینِ مؤجل نہ ہو۔ جیسا کہ صاحبِ ہدایہ لکھتے ہیں: جس پر ایسا قرض ہو کہ جو اس کے پورے مال کو لے لے تو اس بندے پر زکوۃ واجب نہیں۔[24]

آج کل کچھ لوگ قرض لے کر اسے قسطوں میں ادا کرتے رہتے ہیں۔ادائیگی کا یہ سلسلہ کافی طویل عرصے تک جاری رہتا ہے۔ یہ نئی صورت دینِ حال نہیں، جس پہ فقہا وجوبِ زکٰوۃ سے منع کرتے ہیں بلکہ یہ دینِ مؤجل ہے لہذا اس پر زکٰوۃ واجب ہوگی۔قسط ادا کرنے کے بعد جو باقی بچے اس سے زکٰوۃ دی جائے گی۔اس بارے میں شیخ مصطفیٰ الزرقاء فرماتے ہیں: إِنَّ الدِّينَ الْمُؤَجَّلَ وَالْمُقْسِطَ لَا يَمْنَعُ الزَّكَاةَ عَنِ الْمَالِ الَّذِي لَدَى الشَّخْصِ، وَإِنَّمَا الَّذِي يُطْرَحُ مِنَ الزَّكَاةِ هُوَ الدَّيْنُ الْحَالُّ الْخَاضِعُ لِلمُطَالَبَةِ حَالًا حِينَ وُجُوبِ الزَّكَاةِ بِحَوَلَانِ الحَوْلِ(ادھار یا قسطوں والا قرض زکٰوۃ سے مال کو

[23] ایضا،ص96

[24] المرغینانی، علی بن ابو بکر، برہان الدین،الهداية في شرح بداية المبتدي(لاہور: مکتبہ اسلامیہ، س۔ن)،ج1،ص202

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

نہیں بچاتا، بلکہ زکوٰۃ میں سے وہی قرض منہا کیا جاتا ہے جو فوری طور پر واجب الادا ہو اور جس کی ادائیگی کا مطالبہ زکوٰۃ واجب ہونے کے وقت یعنی سال پورا ہونے پر کیا جاسکتا ہو۔)[25]

قیاس کا تقاضا تو یہ ہے کہ دینِ مؤجل کی صورت میں زکوٰۃ واجب نہ ہو جیسے دین حال کی صورت میں زکوٰۃ واجب نہیں ہوتی کیونکہ دین تو دین ہے جسے آدمی نے ادا کرنا ہے چاہئے دین حال ہو یا دینِ مؤجل ہو۔ لیکن استحسان کا تقاضا یہ ہے کہ دینِ مؤجل میں بھی زکوٰۃ واجب ہو کیونکہ زکوٰۃ واجب نہ کرنے کہ صورت میں فقراء کا نقصان ہوگا۔ ان کو جو مال زکوٰۃ میں ملتا ہے وہ نہیں ملے گا۔ اگرچہ زکوٰۃ واجب کرنے کی صورت میں مالداروں کا بھی نقصان ہوتا ہے لیکن ان کا جو نقصان ہوگا وہ فقراء کے نقصان کی نسبت بہت کم ہے۔ لہذا شیخ کی رائے کے مطابق استحسان پہ عمل کرتے ہوئے ایسے قرضوں پہ زکاۃ واجب ہونے کا حکم لگایا جائے گا۔

2۔ضرورت:

شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے استحسان کے اصول سے استنباط کرتے ہوئے ضرورت کو بھی علت بنایا ہے، خاص طور پر ایسے معاملات میں جہاں لوگوں کی معاشرتی ضروریات کو مد نظر رکھتے ہوئے شرعی احکام میں آسانی کی جاسکتی ہے۔ ان کے نزدیک، استحسان میں کبھی کبھار ایسی ضروریات کو بھی پیش نظر رکھا جاتا ہے جو کسی حکم کے ظاہری اصولوں سے متصادم نہیں ہوتیں، مگر ان کی تکمیل میں لوگوں کی ضرورت یا مفاد کا خیال رکھا جاتا ہے۔ اس اسلوب کو جاننے کے لیے درج ذیل مثال دی جاسکتی ہے۔

الزكاة الواجبة في عروض الكاسدة: بعض اوقات تاجروں کے ہاں تجارتی مال کئی عرصہ تک پڑا رہتا ہے اور فروخت نہیں ہوتا۔ یہ مال وقت گزرنے کے ساتھ پرانا ہو جاتا ہے اور اس کی قیمتِ فروخت بھی وہ نہیں رہتی جو کہ عموماً چل رہی ہوتی ہے، بلکہ اس کی قیمت گر جاتی ہے۔ اب یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ ایسے مال پر زکوٰۃ واجب ہے یا نہیں؟

قیاس کے مطابق ایسے مال میں زکاۃ واجب ہونی چاہیے کیونکہ مال تجارت ہے۔ اس پر قرآن و حدیث میں متعدد دلائل موجود ہیں۔ شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے اس مسئلہ میں مذہبِ مالکی کی رائے کو اختیار کیا ہے۔ ڈاکٹر یوسف القرضاوی نے بھی اسے استحساناً درست قرار دیا ہے۔[26] وہ فرماتے ہیں کہ وہ ہمیشہ لوگوں کی ضرورت دیکھ کر فتویٰ دیتے ہیں اور آسانی پیدا کرتے ہیں، بالخصوص پراپرٹی کے معاملے میں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ شہروں میں نقدی کی قیمت روز بروز گھٹتی جا رہی ہے اور لوگوں کے

[25] الزرقاء، فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص 137

[26] الزرقاء فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص 135

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

پاس اپنی نقدی کو محفوظ کرنے کے لیے کوئی وسیلہ موجود نہیں سوائے اس کے کہ وہ زمین خرید کر اس کے مہنگا ہونے کا انتظار کریں اور لوگ طویل عرصہ تک انتظار کرتے ہیں۔ بعض اوقات اس میں دس سال بھی لگ جاتے ہیں پھر وہ اسے ضرورت کے وقت بیچ دیتے ہیں۔ قیاس کے مطابق ایسی زمین کی زکوۃ ہر سال ادا کرنی چاہئے لیکن لوگوں کی مجبوری کا خیال کرتے ہوئے میں یہ فتوی دیتا ہوں کہ وہ فروخت کے وقت صرف ایک بار ہی زکوۃ ادا کرے۔ لیکن وہ اس زمین کی بلند قیمت پر زکوۃ ادا کرے گا نہ کہ اس قیمت پر جس پر اس نے خریدی تھی۔[27] ایسے ہی عروض کاسدہ میں انتظار کرنے والے کا حکم ہے۔ اگر تاجر کا کچھ مال بڑھ جائے اور وہ اسے گھر میں استعمال کے لیے لائے تو اس کی زکوۃ موقوف ہو گی۔ اب وہ استعمال میں آنے کی وجہ سے غیر نامی ہو گیا، جبکہ زکوۃ اس مال میں ہوتی ہے جو نامی ہو چاہے فعلاً ہو یا تقدیرًا جیسے کہ نقود۔ میری رائے اس معاملہ میں یہی ہے۔[28] اس فتوی سے معلوم ہوا کہ شیخ نے عروضِ کاسدہ میں زکوۃ کا حکم اصولِ استحسان پر عمل کرتے ہوئے دیا ہے۔

3۔ تیسیر علی الناس:

شیخ مصطفیٰ الزرقاء کے نزدیک "تیسیر علی الناس" کا مفہوم لوگوں کے لیے آسانی پیدا کرنا ہے۔ وہ سمجھتے تھے کہ فقہ میں اور آسانی کا ہونا شریعت اسلامی کی روح ہے ۔ آسانی اس لئے بھی ضروری ہے تاکہ شریعت کے احکام لوگوں کی عملی زندگی میں بآسانی نافذ ہو سکیں۔ آپ نے اس اصول کو مد نظر رکھتے ہوئے ایسے مسائل پر فتوے دیے جہاں اگر کوئی عمل یا طریقہ لوگوں کے لیے آسانی اور سہولت کا باعث بنے، تو اس پر عمل کرنا جائز سمجھا جا سکتا ہے۔ اگر کوئی شرعی حکم کسی مخصوص طریقے سے لوگوں کے لیے مشکل یا غیر عملی ہو، تو اس کی جگہ آسان اور موثر طریقے کو اپنانا جواز حاصل کر سکتا ہے، بشرطیکہ وہ طریقہ شریعت کے بنیادی اصولوں سے متصادم نہ ہو۔ آپ نے اس اصول کو وقت کے تقاضوں اور حالات کے مطابق استعمال کیا۔ چنانچہ درج ذیل مسئلہ میں انہوں نے تیسیر علی الناس کو علت بنا کر حل پیش کیا ہے۔

رمی، ذبح، اور حلق میں ترتیب: وہ اعمال جن کے بعد حاجی کو احرام کھولنے کی اجازت ہے وہ چار ہیں: رمی، ذبح، حلق اور طواف۔ ان افعال میں سے رمی، ذبح، اور حلق کو ترتیب سے ادا کیا جاتا ہے۔ اگر حاجی قارن اور متمتع ہو تو اس پر ذبح یعنی قربانی واجب ہے جو کہ رمی کے بعد اور حلق سے پہلے ہو گی۔ حج افراد والے

[27] الزرقاء فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص136

[28] ایضاً، ص135

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published: February 12, 2026

پر قربانی واجب نہیں ہے؛ لہذا وہ رمی اور حلق میں ترتیب کرے گا۔ اب سوال یہ ہے کہ رمی، ذبح، اور حلق میں ترتیب کا حکم کیا ہے؟ اگر حاجی نے ترتیب کا حیال نہ رکھا تو اس پر دم لازم آئے گا یا نہیں؟

امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ اور آپ کے اصحاب کے نزدیک رمی، ذبح، اور حلق میں ترتیب واجب ہے اور اس میں خلل کی صورت میں دم لازم آئے گا۔[29] ان کی دلیل یہ آیت ہے: وَلَا تَحْلِقُوا رُءُوسَكُمْ حَتَّىٰ يَبْلُغَ الْهَدْيُ مَحِلَّهُ ۚ (ور اپنے سر نہ منڈاؤ جب تک قربانی اپنے ٹھکانے نہ پہنچ جائے) ۔[30] دوسری دلیل یہ ہے کہ آپ علیہ الصلوۃ والسلام نے بھی اسی ترتیب کے ساتھ حج کیا تھا اور فرمایا: يَا أَيُّهَا النَّاسُ، خُذُوا مَنَاسِكَكُمْ، فَإِنِّي لَا أَدْرِي لَعَلِّي لَا أَحُجُّ بَعْدَ عَامِي هَذَا (اے لوگو! اپنے حج کے مناسک مجھ سے سیکھ لو، کیونکہ مجھے نہیں معلوم شاید میں اس سال کے بعد دوبارہ حج نہ کر سکوں)۔[31]

ائمہ ثلاثہ یعنی امام مالک شافعی اور امام احمد اس مسئلے میں امام اعظم ابو حنیفہ کے ساتھ اختلاف کرتے ہیں۔ ان کے نزدیک ان معاملات میں ترتیب سنت ہے۔ امام مالک اس ترتیب کو واجب نہیں سمجھتے مگر صرف رمی کے اندر وہ کہتے ہیں کہ رمی، ذبح اور حلق وغیرہ کرنے پر مقدم ہو گئی۔ اور امام شافعی یہ سمجھتے ہیں کہ اعمال ثلاثہ کے اندر ترتیب سنت ہے واجب نہیں اور یہ ترتیب برقرار نہ رکھنے کی وجہ سے دم بھی لازم نہیں آئے گا۔[32] ترتیب کے سنت ہونے میں ان کی دلیل وہ حدیث ہے جسے حضرت عبداللہ بن عمر نے روایت کیا اور اس پر بخاری و مسلم کا اتفاق ہے۔ رسول اللہ ﷺ حجۃ الوداع کے موقع پر کھڑے تھے اور لوگ آپ سے مسائل پوچھ رہے تھے۔ ایک شخص نے عرض کیا: "مجھے معلوم نہ تھا، میں نے ذبح سے پہلے حلق کر لیا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "ذبح کر لو، کوئی حرج نہیں۔" پھر ایک اور شخص آیا اور عرض کیا: "مجھے معلوم نہ تھا، میں نے رمی سے پہلے ذبح کر لیا۔" آپ ﷺ نے فرمایا: "رمی کر لو، کوئی حرج نہیں۔" اس دن آپ ﷺ سے جس چیز کے آگے پیچھے کرنے کے بارے میں بھی پوچھا گیا، آپ نے یہی فرمایا: "کر لو، کوئی حرج نہیں۔"[33]

[29] الزرقاء فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص198

[30] البقرة2:196

[31] نسائی، احمد بن شعیب، سنن نسائی، کتاب مناسک الحج، باب الرکوب الی الجمار واستظلال المحرم، حدیث: 3062

[32] ایضاً، ص198

[33] بخاری، صحیح بخاری، کتاب الحج، باب الفتیا علی الدابۃ عند الجمرہ، حدیث: 1736؛ مسلم، صحیح مسلم، کتاب الحج، باب من حلق قبل ان ینحر، حدیث: 1306

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

احناف اس حدیث کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ آپ کا قائل کو یہ کہنا کہ کوئی حرج نہیں یہ گناہ کی نفی نہیں کرتا نہ ہی یہ وجوب کی نفی کرتا ہے۔ لیکن شیخ مصطفیٰ الزر قاء اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہتے ہیں کہ احناف کی یہ تاویل نبی کریم کے اسلوب بیان سے بہت دور ہے بلکہ معنی قریب اور متبادل الی الفہم لا حرج کہنے سے یہی سمجھ آتا ہے کہ اس میں کوئی گناہ نہیں کوئی اس میں ثواب نہیں۔ بس اس صورت میں ترتیب جو آپ کے فعل میں آئی ہے وہ افضل ہو گی واجب نہیں ہو گی۔[34]

اس دور میں سعودی حکومت نے ایک ادارہ قائم کر دیا ہے جو کہ حجاج کی طرف سے قربانی کرنے کی ذمہ داری لیتا ہے۔ حجاج اپنی ھدی کے پیسے بینک کو ٹرانسفر کر دیتے ہیں، بینک ان کی نیابت میں قربانی کرتا ہے۔ یہ اس لیے ہے کہ کثیر تعداد میں حجاج دنیا بھر سے جمع ہوتے ہیں اور ہر ایک کے لیے وہاں قربانی کرنا ممکن نہیں ہے، لہذا حجاج کی آسانی کے لیے ایسا کیا جاتا ہے۔ اب مسئلہ پیدا ہوتا ہے کہ احناف کے نزدیک قربانی رمی اور حلق کے درمیان میں کرنا ضروری ہے۔ اگر قربانی کے پیسے بینک کو دیے تو معلوم نہیں وہ کس وقت میں قربانی کریں۔ ہو سکتا ہے وہ رمی سے پہلے کر دیں یا وہ حلق کے بعد کر دیں۔؟[35]

شیخ مصطفیٰ الزر قاء کہتے ہیں کہ قیاس کا تقاضا تو یہی ہے کہ بینک کو قربانی کی رقم بھیجنا جائز نہ ہو اور ہر فرد اپنی قربانی خود کرے تاکہ اعمالِ ثلاثہ کے درمیان ترتیب قائم رہے۔ لیکن یہاں ضرورت کے تحت لوگوں کی آسانی کا لحاظ کرتے ہوئے بینک کو یہ رقم ٹرانسفر کرنا جائز ہے۔ نیز اس سے مقاصد شریعت پہ بھی عمل ہوتا ہے کیونکہ شریعت کا مقصد صرف جانوروں کے حلق ذبح کر کے ان کا خون بہانا نہیں بلکہ گوشت مستحق افراد تک پہنچانا ہے اور یہ مقصد بینک کے ذریعے احسن انداز سے انجام پا سکتا ہے۔[36]

اس مسئلہ کے نظائر احناف کے ہاں موجود ہیں۔ ان کے نزدیک بعض مسائل ایسے ہیں جن میں کسی ضرورت کی بنا پہ شرط ساقط ہو جاتی ہے۔ مثلاً اگر نمازیوں کا مسجد میں رش ہو جیسا کہ جمعہ اور عیدین کی نماز میں ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر زمین پر سجدے کی جگہ نہ پائے تو اس کے لیے جائز ہے کہ نمازی کی پیٹھ پر سجدہ کر لے۔ اسی طرح مرنے والے کی وفات یا نسب وغیرہ کا صرف سماع سے مان لینا یہ بھی استحسان پر مبنی ہے۔ ایسے ہی وہ مسائل جو عورتوں کو حمام میں پیش آتے ہیں ان میں صرف اکیلی عورت کی گواہی قبول کر لینا یہ بھی استحسان کے پیش نظر ہے، ورنہ کسی بھی مسئلے میں صرف عورت کی گواہی قابل قبول نہیں ہوتی۔ اس لحاظ سے حج

[34] الزر قاء فتاویٰ مصطفیٰ الزر قاء، ص200

[35] الزر قاء فتاویٰ مصطفیٰ الزر قاء، ص208

[36] ایضاً، ص208

OPEN ACCESS
CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

قارن اور متمتع والے کے لئے بھی واجبِ اصلی ساقط ہو جائے گا اور وہ رقم بینک کو ٹرانسفر کر دے گا کیونکہ شرط ساقط ہونے کی صورت میں اس پر اکتفا کیا جاتا ہے جو ممکن ہو۔[37]

3۔دفع حرج:

دفعِ حرج کا مفہوم اسلامی فقہ میں کسی بھی ایسی مشقت یا تکلیف کو دور کرنا ہے جو لوگوں کے لیے شدید مشکل پیدا کرے یا نا قابل برداشت ہو۔اس اصول کے تحت شریعت میں کسی عمل کی تکلیف یا مشقت کو مد نظر رکھتے ہوئے اس میں آسانی اور سہولت پیدا کرنے کی اجازت دی جاتی ہے، بشرطیکہ وہ شریعت کے بنیادی اصولوں کے خلاف نہ ہو۔دفع حرج کا مقصد یہ ہے کہ دین کے احکام کو لوگوں کی عملی زندگی میں آسان اور قابل عمل بنایا جائے، تاکہ عبادات اور روزمرہ کے معاملات میں بے جا مشقت نہ ہو۔ چنانچہ درج ذیل مسئلہ میں انہوں نے تیسیر علی الناس کو علت بنا کر حل پیش کیا ہے۔

جہاز میں احرام باندھنے کا حکم: حج و عمرہ کے لیے جانے والے حضرات کیلئے میقات سے آگے احرام کے بغیر سفر کرنا جائز نہیں۔میقات وہ مقرر کردہ مقامات ہیں جن مقامات پر آکر مختلف علاقوں سے آنے والے حجاج احرام باندھتے ہیں یا ان مقامات سے پہلے احرام باندھ لیتے ہیں۔ نبی علیہ الصلوۃ والسلام نے اپنی زندگی میں میقات مقرر فرمائے:

عَنْ عَائِشَةَ، قَالَتْ وَقَّتَ رَسُولُ اللَّهِ صلى الله عليه وسلم لأَهْلِ الْمَدِينَةِ ذَا الْحُلَيْفَةِ وَلأَهْلِ الشَّامِ وَمِصْرَ الْجُحْفَةَ وَلأَهْلِ الْعِرَاقِ ذَاتَ عِرْقٍ وَلأَهْلِ نَجْدٍ قَرْنًا وَلأَهْلِ الْيَمَنِ يَلَمْلَمَ .[38]

"حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے، وہ فرماتی ہیں: رسول اللہ ﷺ نے اہلِ مدینہ کے لیے ذوالحلیفہ کو، اہلِ شام اور مصر کے لیے الجحفہ کو، اہلِ عراق کے لیے ذاتِ عرق کو، اہلِ نجد کے لیے قرن کو، اور اہلِ یمن کے لیے یلملم کو میقات مقرر فرمایا۔"

جمہور فقہاء کا یہ کہنا کہ جہاز کے ذریعے سفر کرنے والے حضرات پر بھی ان میقات سے پہلے یا ان سے گزرتے ہوئے جہاز کے اندر ہی احرام باندھنا ضروری ہے ورنہ دم لازم آئے گا۔لیکن شیخ مصطفیٰ الزرقاء کہتے ہیں کہ یہ رائے فہم نصوص کے حوالے سے غیر تسلیم شدہ ہے کیونکہ اس میں شدت اور صعوبت ہے۔[39]جب فضائی

[37] الزرقاء فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص209

[38] نسائی، سنن نسائی، کتاب مناسک الحج، باب میقات اہل العراق۔حدیث: 2656

[39] الزرقاء فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص209

CC BY

Al-Asr International Research Journal of Islamic Studies
Vol 6 Issue 1 (January-March) 2026
ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

راستوں سے آنے والوں پر مقرر شدہ میقات کا حکم لاگو نہیں ہوتا تو ایسی صورت میں اجتہاد کی ضرورت ہے۔اس مسئلہ میں استحسان کے تحت مناسب حکم دیا جائے گا جس سے حرج دور ہو۔وہ یہ ہے کہ جہازوں کے ذریعے آنے والے حضرات پہ احرام اس وقت تک واجب ہی نہیں ہو گا جب تک وہ جہاز اس شہر میں اتر نہ جائے جس میں وہ زمینی سفر شروع کریں گے۔ پھر جس وقت طیارہ ایسے شہر میں اترے جو مواقیت سے دور ہو تو اس وقت ان کے احرام کے میقات وہی ہوں گے جہاں سے وہ گزریں گے۔اگر وہ میقات سے نہ گزر رہے ہوں تو میقات کے متوازی کسی جگہ سے گزر رہے ہوں تو قریب والے میقات کا اعتبار کیا جائے گا۔اگر جہاز ایسے شہر میں اترے جو کسی میقات کے بعد اور حرم سے پہلے آتا ہو تو وہی شہر احرام باندھنے کے لیے میقات ہو گا۔[40]

4۔انتظامی مصالح کی رعایت:

انتظامی مصالح سے مراد وہ حکومتی یا معاشی ضروریات اور مفاد ہیں جو کسی علاقے یا معاشرے کے نظم وضبط کو قائم رکھنے کے لیے ضروری ہوتے ہیں۔یہ مصالح عموماً حکومت یا ریاست کی طرف سے فیصلے کرنے کے عمل میں سامنے آتے ہیں اور ان کا مقصد عوامی فلاح، اقتصادی استحکام، انصاف اور سماجی ہم آہنگی کو یقینی بنانا ہوتا ہے۔ چنانچہ درج ذیل مسئلہ میں شیخ نے انتظامی مصالح کو علت بنا کر حل پیش کیا ہے:

زمینوں کے کرائے مقرر کرنا: حکومتِ وقت کے لئے زمینوں کے کرائے مقرر کرنا جائز ہے یا نہیں ؟ یہ مسئلہ مختلف فیہ ہے۔بعض فقہاء اسے جائز سمجھتے ہیں اور بعض ناجائز۔جو لوگ اشیاء کی قیمتیں مقرر نہ کرنے کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کے زمانے میں قیمتیں مہنگی ہوئیں تو آپ نے صحابہ کے مطالبے کے باوجود قیمتیں مقرر نہ فرمائیں بلکہ فرمایا: إِنَّ اللَّهَ هُوَ الْمُسَعِّرُ الْقَابِضُ الْبَاسِطُ الرَّزَّاقُ وَإِنِّي لأَرْجُو أَنْ أَلْقَى رَبِّي وَلَيْسَ أَحَدٌ مِنْكُمْ يَطْلُبُنِي بِمَظْلَمَةٍ فِي دَمٍ وَلاَ مَالٍ(بے شک اللہ ہی قیمت مقرر کرنے والا ہے، وہی تنگی اور کشادگی دینے والا ہے، اور وہی رزق عطا کرنے والا ہے۔اور میں امید رکھتا ہوں کہ میں اللہ سے اس حال میں ملوں کہ تم میں سے کوئی مجھ سے خون یا مال کے بارے میں کسی ظلم کا مطالبہ کرنے والا نہ ہو)۔[41]

البتہ شیخ مصطفٰی الزرقاء کہتے ہیں کہ جب لوگ حاجت اور ضرورت کی اشیاء کو اپنی مرضی کے مطابق مہنگے داموں بیچنے لگ جائیں اور اس سے عوام کا نقصان ہو رہا ہو تو انتظامی مصلحت کے پیش نظر احناف کے نزدیک حاکمِ وقت کو اشیاء کا نرخ مقرر کرنے کی اجازت ہے۔حاکم وقت کو چاہیے کہ اشیاء کی قیمتیں مقرر کرے اور لوگوں کو

[40] ایضاً، ص 187

[41] ترمذی، سنن ترمذی، کتاب البیوع عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم، باب مَا جَاءَ فِي التَّسْعِيرِ، حدیث: 1314؛ ابوداؤد، سنن ابوداؤد، کتاب الاِجارۃ، باب فِي التَّسْعِيرِ، حدیث: 3451؛ ابن ماجہ، سنن ابن ماجہ، کتاب التجارات، باب مَنْ كَرِهَ أَنْ يُسَعِّرَ، حدیث: 2200

OPEN ACCESS

مقرر کردہ قیمت سے مہنگے داموں بیچنے سے منع کرے اور عمل نہ کرنے والے افراد کو سزا دے۔ زمینوں کے کرائے مقرر کرنا بھی ان حاجات ضروریہ میں سے ہے جن کے ریٹ مقرر ہونے چاہئیں۔ یہ بات بھی واضح ہے کہ زمین کا کرایہ وصول کرنا بھی ایسی ضرورت ہے جو ہمارے دور میں مختلف اسباب کے باعث بڑھتا رہتا ہے۔ جن شہروں میں اس دور کے اندر بھی زمینوں کے کرائے مقرر نہیں جیسا کہ بلاد عربیہ میں وہاں بہت زیادہ مشکلات ہوتی ہیں اور ظلم وعدوان جاری رہتا ہے۔

شیخ مصطفیٰ الزرقاء اس مسئلہ کا خلاصہ یوں کرتے ہیں:

فتحديد الأجور بصورة عادلة، يدخل في حق ولي الأمر وصلاحيته في تسعير الحاجيات والسلع الضرورية، وإن تقييد حق مالك العقار في تخلية مستأجره منعاً للتعسف يدخل كذلك في ولاية ولي الأمر بمقتضى أصل الاستحسان والاستصلاح ؛ وفقاً لقاعدة المصالح المرسلة ـ

" قیمتوں کو عادلانہ طور پر مقرر کرنا بھی ولی الامر کے حق اور اختیار میں داخل ہے، جیسے ضروری اشیاء اور سامان کی قیمت مقرر کرنا اس کی ذمہ داری میں آتا ہے۔ اسی طرح کسی مالکِ مکان کے حق کو اس حد تک محدود کرنا کہ وہ محض تعسف یا زیادتی کی بنا پر اپنے کرایہ دار کو نہ نکال سکے، یہ بھی ولی الامر کے دائرۂ اختیار میں شامل ہے۔ یہ سب اصلِ استحسان اور استصلاح کی بنیاد پر ہے، اور مصالحِ مرسلہ کے قاعدے کے مطابق ہے۔"[42]

حاصلِ کلام:

اس مقالے میں شیخ مصطفیٰ الزرقاء کے اصولِ استحسان کے ذریعے استنباطِ مسائل کے اسلوب کو نمایاں کیا گیا ہے اور یہ واضح کیا گیا ہے کہ اسلامی فقہ محض جامد قواعد کا مجموعہ نہیں بلکہ ایک زندہ اور متحرک نظام ہے جو بدلتے ہوئے حالات میں انسانی مسائل کا حل فراہم کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ شیخ الزرقاء نے مصادرِ تبعیہ خصوصاً استحسان کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے اسے ایسے اصول کے طور پر پیش کیا جو قیاس کے ظاہری تقاضوں سے ہٹ کر زیادہ قوی دلیل، مصلحت اور ضرورت کی بنیاد پر احکام تک پہنچنے میں مدد دیتا ہے۔

شیخ مصطفیٰ الزرقاء نے استحسان کو محض نظری اصول کے طور پر نہیں بلکہ عملی فقہی منہج کے طور پر استعمال کیا۔ انہوں نے مصالحِ عامہ، ضرورت، تیسیر علی الناس اور دفعِ حرج کو بنیاد بنا کر جدید معاشرتی، معاشی اور انتظامی مسائل میں رہنمائی فراہم کی۔ زکوٰۃ، حج، تجارتی معاملات اور ریاستی نظم ونسق جیسے موضوعات میں ان کی آراء اس بات کی دلیل ہیں کہ وہ نصوصِ شرعیہ کی روح اور مقاصدِ شریعت کو سامنے رکھتے ہوئے اجتہاد کے قائل تھے۔ نتیجتاً یہ کہا جاسکتا ہے کہ شیخ مصطفیٰ الزرقاء کا

[42] الزرقاء فتاویٰ مصطفیٰ الزرقاء، ص435

CC BY

ISSN E: (2790-7694)
ISSN P: (2790-7686)
Published:
February 12, 2026

اسلوبِ استنباط اسلامی فقہ کی وسعت، جامعیت اور عصری معنویت کو نمایاں کرتا ہے۔ ان کا منہج اس بات کو تقویت دیتا ہے کہ استحسان اسلامی قانون میں ایک مؤثر ذریعہ ہے جو نصوص کی پابندی کے ساتھ انسانی ضرورتوں، معاشرتی تغیرات اور عدل و مصلحت کے تقاضوں کو ہم آہنگ کرتا ہے۔ اس طرح ان کی فکر جدید دور میں فقہی اجتہاد کے لیے ایک مضبوط بنیاد اور قابل تقلید نمونہ فراہم کرتی ہے۔

OPEN ACCESS
CC BY